میں طوفان الاقصیٰ کے جرات مندانہ آپریشن پر دنیا کے تمام حریت پسندوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں نیز مظلوم فلسطینی قوم کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے تقریباً دس ہزار بچوں، بے گناہ مرد خواتین اورعام شہریوں کی شہادت پرفلسطینی قوم، شہداء کے اہل خانہ، اسلامی برادری اور دنیا بھر کے حریت پسندوں کو تعزیت پیش کرتا ہوں۔ میں پاکستان کی حکومت اور عوام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے دیگر مسلم اقوام اور دنیا کے حریت پسند عوام کی طرح اسرائیل اور امریکہ کے، غزہ کے خلاف کیے گئے مشترکہ جرائم کی مذمت کی ہے نیز اس بیدار قوم کے حضور تعظیم پیش کرتا ہوں۔

اس مضمون کا مقصد لوگوں کے اکثر سوالات کی بنا پر کچھ بنیادی نکات کے جوابات دینا تھا۔ پہلا یہ کہ صیہونی حکومت کیوں اور کیسے قائم ہوئی؟ اس کی تخلیق میں امریکہ اور مغرب کا کیا کردار تھا؟ فساد کے اس جرثیم کی تشکیل کے بعد پہلی تین دہائیوں میں عرب ممالک اور فلسطینی جنگجوؤں کی بے شمار جدوجہد اور جنگیں تمام قربانیوں کے باوجود مطلوبہ نتائج کیوں حاصل نہیں کر سکیں؟ اس ناجائز حکومت سے نمٹنے کے لیے اسلامی جمہوریہ ایران کی حکمت عملی کی خصوصیات کیا ہیں؟ اسلام پسند فلسطینی اقتدار واختیار کے بغیر اس ناجائز حکومت اور اس کے حامیوں کے خلاف حالات کو کیوں اور کیسے پلٹ سکتے ہیں؟ مجھے امید ہے کہ میں ان سوالات کا جواب دینے میں کامیاب رہوں گا۔ میں اس مضمون کی طوالت کے لیے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

1. مغرب اور عالم اسلام کا فکری تضاد

صورتحال کے برعکس بعض لوگ اس ناجائز حکومت کو بہت سادگی سے دیکھتے ہیں اور مغربی پروپیگنڈے کے زیر اثر یہ سمجھتے ہیں کہ یورپ سے نکالے گئے کچھ یہودی اس خطے میں آئے ہیں اور ان کے اور اس سرزمین کے اصل باشندوں کے درمیان تنازعہ ہے۔ یہ بات ابھر کر سامنے آئی ہے کہ اس خطے میں اس حکومت کا قیام اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک منظم سازش اور منصوبہ ہے۔

الف) مغرب اور عالم اسلام کے تعلقات کی تاریخ جنگ سے شروع ہوئی۔ مسلمانوں اور یورپی اقوام کے درمیان پہلی جنگ اموی دور کی ہے۔ یہ جنگ 138ھجری میں عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام کی اسپین کی مہم سے شروع ہوئی اور 300ھجری تک جاری رہی۔

ب) صلیبی جنگیں جو تین ادوار 489 تا 492 ہجری (1096-1099عیسوی)، 542 تا 544 ہجری (1147-1149عیسوی) اور 669 تا 671 ہجری (1271-1272عیسوی) میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہوئیں اور یروشلم پر مغرب کے قبضے نے مسلمانوں پر گہرے نقوش چھوڑے۔ صلیبی جنگوں کے نتائج یہ نکلے کہ اہل مغرب اور مسلمان ایک دوسرے کی تہذیب و ثقافت سے آشنا ہو گئے اور دونوں فریقوں کے درمیان بات چیت آج تک بلا تعطل جاری ہے لیکن مغرب کی سائنسی اور تکنیکی برتری کی وجہ سے یہ سلسلہ عموماً مغرب کی طرف سے عالم اسلام کی اندرونی کمزوریوں کو مغرب کے فائدے اور مسلمانوں کے نقصان کے لیے استعمال کرنے کے ساتھ جاری رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشروں میں مغرب کی دخالت کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ 1798 میں مصر پر نپولین بوناپارٹ کے حملے نے برصغیر پاک و ہند میں انگلستان کی اہم ترین کالونی تک مواصلاتی راستے کو منقطع کر دیا، 1881 میں تیونس پر فرانس کے قبضے اور 1882 میں انگلستان کے مصر پر قبضے نے اسلامی ممالک کے اندر ایسے حالات پیدا کیے کہ انہوں نے اپنے آپ کو قابض ملک یا کسی اور مغربی ملک سے بچانے کے لیے یورپ کی کسی دوسری طاقت کا سہارا لیا۔

ج) خلافت عثمانیہ کا خاتمہ: اسی دوران، مغرب نے اس سلطنت کے زیر قبضہ علاقوں میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے لیے ایک منصوبہ تیار کرکے اہم قدم اٹھایا. یہاں تک کہ آخر کار 1914 میں پہلی جنگ عظیم کے آغاز کے ساتھ ہی ان کے اہداف حاصل ہوگئے اور اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

مغربی ممالک نے عرب قوم پرستی کو ہوا دے کر اور آزاد قومی حکومتوں کی تشکیل کا وعدے کرکے عثمانی سلطنت کے پاوں تلے سے زمین کھنچنے اور اپنے خواب کی تعبیر حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ تاہم، اس جنگ کے دوران اتحادیوں نے آپس میں جنگی مال غنیمت اور عثمانی املاک کی تقسیم پر بہت سے مذاکرات کیے. ان مذاکرات نے بین الاقوامی معاہدوں کے انعقاد کی بنیاد فراہم کی۔ 1916 میں برطانیہ، فرانس اور روس کے درمیان سائکس-پکوٹ (Sykes-Picot) معاہدہ ہوا جس کے تحت انہوں نے مشرق وسطیٰ کو آپس میں تقسیم کر لیا. ایسے حالات میں فاتح ممالک نے 1918 میں ورسیلز (Versailles) 1920 میں سور اور 1923 میں لوزان کانفرنسوں میں میں یورپ اور مغربی ایشیا میں عثمانی سرزمین کو تقسیم کر لیا اور انہوں نے عثمانی سرزمین کے ایک حصے کو آزادی کی شکل دی اور کچھ حصوں کو سرپرستی کے عنوان سے اپنے زیر اثر رکھا۔ اور 1924 میں سلطنت عثمانیہ کا باضابطہ طور پر خاتمہ ہوگیا۔

د) سلطنت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد بھی نہ صرف یہ کہ مغرب کی اسلام سے دشمنی ختم نہیں ہوئی بلکہ دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی ایشیا میں تیل اور گیس کے ذخائر کی بھنک پڑنے پر لالچی اهل مغرب کی دشمنی میں اوراضافہ ہوا اور صیہونی حکومت کی تشکیل اور نئے قائم ہونے والے ممالک میں جغرافیائی اختلافات نے اس خطے میں مسلسل تنازعات کی بنیاد رکھی۔ اس بنا پر مغرب کی اسلام دشمنی کی جڑیں عالم اسلام کے جغرافیائی سیاسی مسائل سے جڑی ہوئی ہیں۔ اسلامی دنیا میں اب 57 ممالک شامل ہیں۔ دنیا کی آبادی کا تقریباً ایک چوتھائی، جو کہ 1.8 بلین لوگوں کے برابر ہے، مسلمانوں پر مشتمل ہے جو دنیا کے آباد خطوں میں سے ایک ہے اور عیسائیت کے بعد دوسری بڑی مذہبی آبادی ہے۔ اس آبادی میں سے تقریباً 53% ایشیا میں ہیں۔ 24% افریقہ میں اور بقیہ 23% دوسرے براعظموں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کے پاس جنوب مشرقی ایشیا، خلیج فارس اور شمالی افریقہ دنیا کے تین جیوسٹریٹیجک خطے ہیں۔ ان تینوں خطوں میں اسٹریٹجک اور اہم بین الاقوامی نہریں اور آبی گزرگاہیں ہیں۔ اسلامی دنیا کے اسٹریٹجک آبنائے اور آبی گزرگاہیں، یعنی ملائیشیا اور انڈونیشیا کے درمیان آبنائے ملاگا، خلیج فارس میں آبنائے ہرمز، شمال مشرقی ایشیا میں باب المندب اور سوئز کینال اور ہارن آف افریقہ کے ساتھ ساتھ ترکی میں دارڈینیلس اور باسفورس کو عالم اسلام کی عظیم جغرافیائی سیاسی صلاحیتوں کے طور پر جانا جاتا ہے جیو اکنامکس کے لحاظ سے دنیا کی تیل کی زیادہ تر ضروریات عالم اسلام بالخصوص خلیج فارس کے خطے سے فراہم کی جاتی ہیں۔ صرف خلیج فارس کا خطہ دنیا کے معلوم تیل کے ذخائر کا 55% اور گیس کے معلوم ذخائر کا 40% پر مشتمل ہے اور توانائی کے ذخائر کے حجم کے لحاظ سے دنیا کے کسی دوسرے خطے سے اس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا. اسلامی دنیا انسانی، فطری لحاظ، اہم جیو پولیٹیکل، جیوسٹریٹیجک اور جیو اکنامک صلاحیتوں کے ساتھ، عالمی جیو پولیٹیکل نظام کے میدان میں ایک اہم طاقت بننے کی بہت سی صلاحیتوں کے ساتھ ایک متنوع امتزاج کی حامل سرزمین ہے۔ لیکن یہ اہمیت اس وقت جامہ عمل پہن سکے گا جب اسلامی ریاستوں کے درمیان ہم آہنگی، اتحاد اور تعاون ھو گا۔

چنانچہ جنگ عظیم کے بعد مغرب کی عالم اسلام کے ساتھ دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ وہ ایک شکل سے دوسری شکل میں تبدیل ہو گئی اور اس مرحلے پر بظاہر خود مختار اور نام نہاد قومی ریاستوں کی حمایت کرکے، انتہائی متنازعہ نقشے بنا کر اور جغرافیائی سرحدوں کی تقسیم اپنے اپنے مفادات کی بنیاد پر کی جس پر ان خطوں نے عالم اسلام میں تنازعات کی بنیاد ڈالی. یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی

اکثریت اس خطے میں مغرب کی موجودگی کے خلاف ہے لیکن حکمرانوں نے مغرب کے ساتھ بات چیت میں ایک مختلف نقطہ نظر اختیار کیا ہے۔

2) صیہونی حکومت کی تشکیل

سلطنت عثمانیہ کے اختتام سے عالم اسلام اور عرب دنیا کے جسم پر اصل مسئلہ سے زیادہ گہرا زخم لگا۔ اس طرح انگلستان نے 1917-1918 میں فلسطین کی سرزمین پر قبضہ کر لیا اور چار سال بعد اسے اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ایک مکروہ منصوبے کے تحت صہیونیوں کو اس سرزمین کو مسلمانوں سے زمین خریدنے کی ترغیب دی اور مزید 1947ء میں اقوام متحدہ کی قرارداد 181 کے ذریعے فلسطین کی سرزمین پر اسرائیل اور فلسطین کی دو حکومتوں کے قیام کے ذریعے انگریزوں نے اس حکومت کی تشکیل کے اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنایا اور بالآخر 1948ء میں اس استعماری منصوبہے کا اجرا کیا اور اس تاریخ سے لے کر اب تک اس حکومت کو مغرب کی بھرپور حمایت حاصل ہے .

لہٰذا اس حکومت کی تشکیل مغرب کی طرف سے اسلامی تہذیب کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک پیچیدہ منصوبہ ہے اور بتایا جاتا ہے کہ صیہونی حکومت کے بانی بین گوریون نے کہا تھا کہ ہم اس خطے میں مشرقی تہذیب کی بربریت(اسلام) کے مقابلے میں اپنی ترقی یافتہ تہذیب کو قائم کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس وقت سے لے کر آج تک، جب ہم غزہ میں معصوم عورتوں اور بچوں کے انتہائی وحشیانہ قتل عام کا مشاہدہ کر رہے ہیں، اس ناجائز حکومت کو مغرب کی طرف سے مکمل حمایت حاصل رہی ہے اور بین الاقوامی صیہونیت نے مغرب کی فوجی، سیاسی، بین الاقوامی اور اقتصادی طاقت کو اسلام اور مسلمانوں کو دبانے کے لیے بھرپور سے استعمال کیا ہے۔

یہ امرکسی سے پوشیدہ نہیں کہ امریکی صدر صیہونی لابیوں کی حمایت کے بغیر نہیں جیت سکتا تو اس کا مطلب ہے کہ وائیٹ ہاوس جسے بلیک ھاوس کہنا چاہیے میں داخل ہونے کی کنجی صہیونیوں کے ہاتھ میں ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس وقت کے اسلامی حکمرانوں نے اگرچہ قرارداد 181 کو قبول نہیں کیا اور ایک متفقہ حکومت کی تشکیل پر زور دیا لیکن دانستہ یا نادانستہ انہوں نے اس ناسور کو قبول کرلیا اور اس کے بعد سے وہ مسلسل ہونے والی خونریزی اور مجرمانہ پیش رفت کے مقابل پیچھے ہٹ گئے۔ اس ناجائز، ظالمانہ اور بچوں کو مارنے والی ناجائز حکومت کے ساتھ متعدد اسلامی ممالک کے سرکاری تعلقات ہیں۔

3. ایران اور فلسطین

ایران کے فلسطین کے ساتھ تعلقات کو اسلامی انقلاب کی فتح سے پہلے اور بعد کے دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی انقلاب کی فتح سے قبل اگرچہ اس وقت کی ایرانی حکومت نے بھی اقوام متحدہ کی قرارداد 181 کے خلاف ووٹ دیا تھا اور ایک ہی حکومت کی تشکیل پر اصرار کیا تھا لیکن امریکی صدر ٹرومین کی مداخلت سے 1950 میں اسرائیل کو ایک حقیقت اور غیر سرکاری طور پر تسلیم کیا۔ لیکن عوام اور علماء کے ردعمل کے خوف سے اس فیصلے کا اعلان نہیں کیا لیکن مختلف شعبوں میں دونوں کا تعاون جاری رہا۔

اسی دور میں امام خمینی (رح) نے نجف اشرف میں جلاوطنی میں ایک مذہبی فتوے کے ذریعے فلسطینیوں کو صیہونی حکومت کے خلاف لڑنے میں مدد کرنے کے لیے شرعی وجوھات(رقم) ادا کرنے کی اجازت دی اور امام خمینی کے دیگر ساتھیوں نے بھی اپنے وسائل سے صیہونی حکومت کے خلاف کارروائیاں کیں۔ اسلامی انقلاب کے عروج کے ساتھ ہی فلسطینیوں نے سب سے پہلے اس انقلاب کی طرف اپنا جھکاؤ ظاہر کیا اور فلسطینی اسلامی جہاد کے سیکرٹری جنرل شہید فتحی شقاقی عرب دنیا کے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے "الخمینی الحل و البدیل" نامی کتاب لکھ کر اسلامی انقلاب کا نام دیا اور انقلاب اسلامی ایران سے متاثر ہو کر اپنی جدوجہد کو منظم کیا۔

اسلامی انقلاب کی فتح کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران نے شاہ کی حکومت کے دور سے اسرائیل کے ساتھ استوار تمام تعلقات کو منقطع کردیا اور تہران میں اسرائیلی سفارت خانہ فلسطین کے حوالے کردیا اور اس وقت سے اسلامی جمہوریہ ایران فلسطینی عوام کے ساتھ کھڑا ہے۔ اسلامی انقلاب اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس نے اسرائیل سے نمٹنے کے لیے ایک پیچیدہ اور کثیر الجہتی حکمت عملی اپنائی ہے جبکہ حکمت عملی کے اجرا کے طریقہ کار کو فلسطینی گروہوں اور وسیع مزاحمتی محاذ کے دوسرے گروہوں پر چھوڑ دیا ہے۔اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

الف) آئین کے آرٹیکل 152 "کسی بھی قسم کے تسلط اور تسلط کی نفی، اور تمام مسلمانوں کے حقوق کا دفاع، اور تسلط پسند طاقتوں کے بائیکاٹ" متعلق ہے نیز آرٹیکل 154 "حق پرستوں کی حمایت کرنا۔ استکبار کے خلاف مظلوموں کی جدوجہد چاہے دنیا میں کہیں بھی ہو" کو ایرانی عوام کے اکثریتی ووٹوں سے تسلیم کیا گیا ہے۔

ب) امام خمینی (رح) کے حکم پر ماہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو عالمی یوم قدس کے طور پر مقرر کرنا۔

ج) پارلیمنٹ کی طرف سے فلسطین کے تحفظ کے لیے قانون کی منظوری، اس قانون کی بنیاد پر حکومت فلسطینی قوم کو صیہونی حکومت کے مقابلے میں فنڈز اور سہولیات مختص کرنے میں مدد کرنے کی پابند ہے۔

د) 2019 میں پوری فلسطینی سرزمین میں حکومت کی نوعیت کا تعین کرنے کے لیے فلسطین کے تمام اصل باشندوں بشمول مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی شرکت سے ایک ریفرنڈم کا منصوبہ اقوام متحدہ کو پیش کیا گیا۔

ہ) فلسطینی عوام اور جنگجوؤں کو ان کی سرزمین کو آزاد کرانے کے لیے بااختیار بنانے میں مدد کرنا، اس تناظر میں، اسلامی جمہوریہ ایران نے کسی بھی قسم کی مدد فراہم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی، خاص طور پر فلسطینی مزاحمتی گروہوں کو جدید ہتھیاروں کی تیاری کی ٹیکنالوجی کی منتقلی کو اپنی ذمہ داری کے اعلیٰ ترین درجے پر رکھا ہے اس نے اس کام کی ذمہ داری کو قبول کر لیا ہے اور ظاہر ہے کہ استکباری طاقتوں کے ساتھ اس تصادم میں اس نے قیمت بھی چکائی ہے۔ اس لیے اسلامی جمہوریہ ایران نے اپنی انتظامی منصوبہ بندی میں دو طریقوں کو شامل کیا ہے جس میں عوامی ووٹوں سے ان کی اپنی تقدیر کا تعین کرنا اور دوسری طرف سے عدم قبولیت کی صورت میں ظالم کے خلاف مظلوم کی دفاعی حکمت عملی کو مضبوط کرنا ہے۔

4. صیہونی حکومت کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلام پسندوں کی آمد:

مندرجہ بالا نکات میں یہ بتایا گیا کہ اس خطے میں کینسر کا یہ ٹیومر کیسے پیدا ہوا، تاہم فلسطین پر قبضے کے بعد عرب ممالک اور فلسطینی عوام کی طرف سے جنگیں اور مزاحمتیں ہوئیں اور 1948ء سے 1979ء تک جنگیں ہوئیں، یعنی انقلاب اسلامی کی فتح سے پہلے، اس جدوجہد کا پرچم فلسطینیوں اور عرب حکومتوں کے ہاتھ میں تھا۔ اپنی عظیم جدوجہد کے باوجود عرب ممالک 1948، 1958، 1967 اور 1973 کی جنگوں میں اسرائیل کے ہاتھوں شکست کھا گئے جنہیں مغرب بالخصوص امریکہ اور انگلستان کی حمایت حاصل تھی اور عرب اور اسلامی سرزمین کا کچھ حصہ کھو بیٹھے۔ فلسطین کے علاوہ صحرائے سینا اور گولان کی پہاڑیاں بھی اسرائیل کے قبضے میں چلی گئیں ۔ فلسطینیوں نے لڑائی بند نہیں کی، اسی بنیاد پر 1959 میں یاسر عرفات نے الفتح تنظیم بنائی، 1964 میں فلسطینی جماعتوں کی کنفیڈریشن (PLO) بنائی۔ اس تنظیم کو دنیا کے ممالک نے فلسطین کا باضابطہ نمائندہ تسلیم کیا اور 1974 میں اقوام متحدہ کا رکن بنا اور بالآخر 1993 میں PLO اور صیہونی حکومت نے ایک دوسرے کو تسلیم کر لیا۔ ایک اور پیش رفت میں، 1967 میں، جارج حبش، ابو علی مصطفیٰ اور احمد جبریل نے مارکسی رجحانات کے ساتھ عوامی محاذ برائے آزادی فلسطین قائم کیا۔

آخر کار، فلسطینی جنگجو، کسی بھی وجہ سے، اوسلو معاہدے کی بنیاد پر اسرائیل کے ساتھ متفق ہو گئے اور رام اللہ میں فلسطینی اتھارٹی قائم کی۔ ، لیکن کچھ عرصے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ اس حکومت کے پاس اختیار نہیں ہے اورعرفات مرحوم جنھوں نے کچھ حکومتوں کے ساتھ فلسطینی اتھارٹی کی بنیاد رکھی تھی۔ انہوں نے انہیں زہر دے کر راستے سے ہٹا دیا گیا۔ اس تمام عرصے میں، سوائے 1948 کے، جب عزالدین قاسم کئی بٹالین کے ساتھ اسرائیل کے ساتھ مزاحمت میں داخل ہوئے، اس محاذ آرائی میں اسلام پسند موجود نہیں تھے، یہاں تک کہ ایران میں اسلامی انقلاب وقوع پذیر ہوا. فتحی شقاقی اور ان کے بہت سے دوست اسلامی انقلاب ایران اور اس نعرے کے ساتھ کہ "فلسطین میں اسلام کیوں غائب ہے۔" متاثر ہوئے۔ انہوں نے اسلامی جہاد گروپ تشکیل دیا، 1986 میں انہوں نے پہلے انتفاضہ کا آغاز چاقو، غلیلوں اور پتھروں سے کیا اور پہلے انتفاضہ کے چند دنوں بعد، فلسطینی اخوان المسلمین نے حماس کے نام سے اپنے قیام کا اعلان کیا اور اس کا پرچم لہرایا۔ حملہ آوروں کے خلاف جدوجہد اسلام پسندوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ 1982 میں، فلسطین میں جدوجہد کے دوران ھی لبنان کے جنوب میں حزب اللہ لبنان مزاحمتی محاذ کے ایک اہم حصے کے طور پر تشکیل دی گئی۔ سال2000 میں الاقصی انتفاده، غزه اور جنوبی لبنان کی صیہونی حکومت کے وجود سے آزادی، 33 روزہ جنگ میں حزب اللہ کی فتح، 22 روزہ جنگ میں حماس کی فتح، 52 روزہ جنگ میں فلسطینی گروہوں کی فتح، 8 روزہ جنگ وغیرہ میں اسلامی گروہوں نےاسرائیل کو شکست کا مزہ چکھایا اور تمام جنگوں میں اسرائیل نے بلا استثنی ممالک کی ثالثی کے ذریعے یا براہ راست جنگ بندی قبول کی۔

اس وقت بھی، حماس کے پیچیدہ منصوبہ کے ساتھ طوفان الاقصی آپریشن، ہر قسم کے میزائلوں کا استعمال کرتے ہوئے، 7 اکتوبر سے شروع ہوا ہے۔ یہ آپریشن اس ناجائز حکومت اور اس کے مغربی آقاؤں کے خلاف مزاحمت میں اب تک کا سب سے منفرد آپریشن ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ امریکہ کے صدر، انگلستان کے وزیر اعظم، فرانس کے صدر اور دیگر یورپی ممالک کے حکام اس ناجائز حکومت کی حوصلہ افزائی اور اسے سقوط سے روکنے کے لیے تل ابیب پہنچ گئے۔ اس ناجائز حکومت کو جدید ہتھیار فراہم کیے گئے ہیں۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا اس طرح قتل عام کرنا کہ ہسپتال، مساجد اور گرجا گھر بھی محفوظ نہیں اور اس سے زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ امریکہ کسی بھی جنگ بندی کے اعلان کی کھلے عام مخالفت کرتا ہے۔ اور اس وقت که جب اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل، عالمی ادارہ صحت، UNRWA کے سربراہ وغیرہ اس نسل کشی کے خلاف مذمت کا اعلان کرتے ہیں اور اب جنگ غزہ کی پٹی تک پہنچ چکی ہے اور معصوم بچوں کا قاتل اسرائیل اس میں پھنسا ہوا ہے۔ پوری دنیا کے سامنے وہ غزہ کو ایٹمی ہتھیاروں سے دھمکاتا ہے اور دنیا کی تمام آزاد اقوام حتیٰ کہ امریکہ اور یورپ میں بھی اس حکومت اور اس کے مغربی حامیوں کے خلاف ریلیاں اور جلوس نکالتے ہیں۔

ایسے میں اسلامی جمہوریہ ایران کا نظام آج بھی اس مظلوم قوم کے شانہ بشانہ کھڑا ہے اور ان لوگوں کی ہر طرح سے مدد کرنے سے دریغ نہیں کرتا لیکن اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کا اختیار آج بھی فلسطینیوں کے پاس ہے۔ امید ہے کہ قرآن کریم کے اس فرمان کے مطابق که "ان تنصر اللہ ینصرکم ان یثبت اقدامکم" فلسطینی مجاہدین اسرائیل کی شکست کے ساتھ اپنے دفتر میں ایک اور فتح درج کرائیں گے۔